مولانا مفتی عبدالاحد☆

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم

خودکشی اور اس کے اسباب

سیرت طیبہ کی روشنی میں

انسان اپنی مختصر سی زندگی میں مختلف قسم کے حالات اور حوادث سے نبرد آزما رہتا ہے۔ کبھی گھر کے خراب ماحول سے بددل ہوتا ہے، کبھی اولاد کی عادات و اخلاق باعث دل آزاری ہوتا ہے، کبھی بیماری بلائے جان بنتی ہے اور کبھی خالی دستر خوان، کبھی بے روزگاری سے تنگ آجاتا ہے اور کبھی فراق یار سے مغموم نظر آتا ہے۔ لیکن انسانی طبیعت میں یہ جوہر ودیعت رکھا گیا ہے جس کی بنا پر وہ مشکلات کے حل کے لئے مسلسل جدوجہد کرتا ہے۔ اور زندگی کی کشتی کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے تدابیر کرتا ہے۔ انسانوں کی اکثریت ان منفی حالات کا مقابلہ کرتے کرتے آخرکار ان پر غالب آجاتی ہے اور فتح و کامرانی ان کے دروازے پر دستک دینے لگتی ہے۔ ان کے مقابلے میں ایسے کم ہمت افراد بھی ہیں جو ان مسائل و مشکلات کی تاب نہیں لا سکتے اور وہ راہِ حل کے ہر دروازے کو اپنے اوپر بند تصور کرتے ہیں اور جب ان کے سامنے اور کوئی راستہ نہیں رہتا تو اپنی زندگی ختم کرنے کو تمام مسائل و مصیبتوں کا آخری حل سمجھتے ہیں۔

خودکشی اور خود سوزی جیسے افسوس ناک واقعات مسلم معاشرے اور تمدن میں بہت کم دیکھنے میں آتے ہیں۔ اس کی دو بنیادی وجوہات ہیں۔ اول یہ کہ مسلم معاشرے کی بنیاد ایمان باللہ، عقیدۂ آخرت، اللہ پر بھروسے، صبر و استقامت اور طلب و دعا پر ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اسلام نے ایسا اجتماعی نظام اور کفالت عامہ کا انتظام کیا ہے جس کی بدولت خاندان، معاشرہ، ریاست اور افراد

☆۔ استاد جامعہ فاروقیہ کراچی

سب ایک دوسرے کے معاون بن کر سخت سے سخت حالات کا مقابلہ کر سکتے ہیں، اور تقسیم دولت کا ایسا نظام قائم کیا ہے جو ان تمام ناانصافیوں، بے اعتدالیوں اور ناہمواریوں سے پاک ہے جن کی وجہ سے دولت چند ہاتھوں میں گردش کرنے لگتی ہے اور مہنگائی و بے روزگاری زندگی کو اجیرن بنا دیتی ہے اور عام انسانوں کی بنیادی ضرورتیں باعزت طریقے اور جائز ذرائع سے پوری نہیں ہوتیں، اور اس کے سبب خودکشی و خودسوزی جیسے واقعات جنم لیتے ہیں۔ غیر مسلم معاشرہ ان دو بنیادی اصولوں سے محرومی کے نتیجے میں ان اخلاق سوز حرکات میں سب سے پیش پیش نظر آتا ہے۔ لیکن مسلم ممالک خصوصاً پاکستان میں حالیہ واقعات کی کثرت اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ مسلمان اپنی اسلامی روایات اور احکامات سے غافل ہو چکے ہیں اور مغربی معاشرے اور طرزِ حکومت سے متاثر ہو کر اپنے لئے مشکلات خود پیدا کر رہے ہیں۔ اس لئے اصلاح احوال صرف اور صرف ان ہی طریقوں سے ممکن ہے جن کے ذریعے مسلمانوں نے اپنی سنہری تاریخ رقم کی۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں:

لا یصلح اخر ھذہ الامۃ الابما صلح به اولھا۔ (۱)

اس امت کے آخر میں آنے والوں کی اصلاح انہی طریقوں سے ممکن ہے جن سے پہلے والوں کی اصلاح ہوئی تھی۔

لہٰذا انفرادی اور اجتماعی بگاڑ کی نشاندھی کر کے ان کی اصلاح کے لئے مسلسل کوشش کئے بغیر صورتحال پر قابو پانا ممکن نہیں ہوگا، صرف یہی نہیں بلکہ فرمانِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق کہ ہر فرد دوسرے مسلمان بھائیوں کا ذمہ دار ہے ضروری ہوگا کہ ہر فرد بقدر استطاعت اس بیماری کے سدباب کے لئے اپنی استعداد اور صلاحیتیں بروئے کار لائے، حکومت اپنے تمام ذرائع ابلاغ کو کام میں لائے، علما، دانشور اور اہل قلم اپنی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کریں اور مسلم معاشرے میں اسلامی تعلیمات کو عام کریں اور خود بھی اس کا عملی نمونہ پیش کریں۔ اب ہم خودکشی کے اسباب کا مختصر سا جائزہ پیش کریں گے اور دیکھیں گے کہ سیرت طیبہ میں ان اسباب کے سدباب کے لئے کیا دستور العمل ہے اور اس بزدلانہ حرکت کی کیا شرعی حیثیت ہے؟ درج ذیل سطور میں اختصار کے ساتھ ان سوالات پر بحث ہوگی۔ ان شاءاللہ

اقتصادی بدحالی اور بے روزگاری

اچھی معاشی حالت اور مالی خوشحالی ہر چھوٹے بڑے معاشرے کا سب سے پہلا مسئلہ ہوتا

ہے اور چونکہ بہت سے مسائل معیشت سے وابستہ ہیں اس لئے معاشرتی بدحالی کی بنا پر بہت سی پریشانیاں اور مشکلات جنم لیتی ہیں، خصوصاً آج کی پرتعیش زندگی میں جہاں انسان بہت سی غیر ضروری اشیا کو اپنی زندگی کا جزوِ لازم سمجھتا ہے اور ان کے بغیر زندگی ناقص و ادھوری تصور ہوتی ہے اور دوسری طرف بے روزگاری میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے ایسے میں معاش کا مسئلہ اور زیادہ اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ اسلام اس کا کیا حل پیش کرتا ہے اور تعلیماتِ نبوی ﷺ کیا رہنمائی کرتی ہیں۔

ایمان باللہ اور عقیدۂ آخرت

مسلمان اللہ کی ذات پر ایمان رکھتا ہے اور یہ یقین اس کے دل و دماغ میں رچا بسا ہے کہ ہمارا ایک ہی خالق و مالک اور ایک ہی رازق ہے، زندگی کے نشیب و فراز، منفی و مثبت حالات سب کچھ اسی کی طرف سے اور اسی کے حکم کے تابع ہیں۔ جب یہ عقیدہ راسخ ہو جائے تو پھر انسان کسی مصیبت و آزمائش سے ناامید نہیں ہوتا بلکہ وہ تمام حالات میں نظر صرف اللہ پر رکھتا ہے اور اس کے تمام وعدوں پر یقینِ کامل رکھتے ہوئے حالات کا مقابلہ کرتا ہے۔ وہ بظاہر مجبور و لاچار ہو کر بھی خدا کے بھروسے پر زندہ رہتا ہے، وہ ناکام ہو کر بھی کامیابیوں کا مشاہدہ کرتا ہے وہ اپنی حاجتوں کے لئے اللہ کو پکارتا ہے اور اسی کو اپنی جائے پناہ سمجھتا ہے لیکن دولتِ ایمان سے محروم شخص اپنی مصیبت و مشکل کو اپنے وسائل اور قوتوں کے بل پر دور کرنے کی کوشش کرتا ہے، اگر مصیبت سے نجات مل جاتی ہے تو فخر و غرور سے کہتا ہے "میں نے ایسا کیا"۔ اور اگر مسئلہ مزید بگڑتا ہے تو مادہ پرستانہ نفسیات اسے ناامید کر دیتی ہے۔ اب اس کے پاس ظاہری اسباب کوئی نہیں اور حقیقی اسباب پر وہ یقین نہیں رکھتا تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زندگی سے چھٹکارا حاصل کرنے کی فکر میں پڑ جاتا ہے۔

ایمان باللہ مسلمان کا وہ ہتھیار ہے جس کے ذریعے ہر قسم کے حالات کا مقابلہ ممکن ہوتا ہے۔ یہ ایمان باللہ ہی کی طاقت تو تھی جس نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو تمامتر اذیتوں اور مشقتوں کے باوجود ثابت قدم رکھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا اَحد اَحد کہنا،(۲) حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کا گرم اور دہکتے ہوئے انگاروں پر استقامت کے دامن کو تھامے رکھنا،(۳) حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کا نیزے کھا کر شہید ہونا،(۴) اور ان جیسے ہزاروں واقعات اسی قوت ایمانی کا کرشمہ تھے۔

اسی طرح مسلمان کا یہ نظریہ ہے کہ اس مختصر سی دنیاوی زندگی کے بعد انسان دوبارہ دائمی زندگی کے لئے عالم وجود میں آکر اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوگا اور اپنے تمام اعمال کے بارے میں جوابدہ قرار پائے گا، اس وقت ہر غیر شرعی کام انسان پر وبال جان بن کر سامنے آئے گا اور تمام کئے ہوئے اعمال حاضر کئے جائیں گے۔ جن لوگوں نے اس حیاتِ مستعار کو احکامِ الٰہی کے مطابق گزارا ہوگا انہیں اللہ تعالیٰ دائمی نعمت و راحت والی جنت عطا فرمائے گا اور جس نے اس کے خلاف کیا ہوگا وہ آگ میں جائے گا جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔ اس لئے مسلمان اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی ختم کرنے کو مسائل کا آخری حل نہیں تصور کرتا، بلکہ اس میں ایک دردناک اور کرب ناک عذاب کی تصویر دیکھتا ہے جس کا ایک کمتریں لمحہ بھی دنیا کے تمام مصائب و آلام سے بڑھ کر ہے۔ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ ایسی موت کے بعد جس میں اللہ کی نافرمانی اور احکام شرع کی خلاف ورزی ہو راحت نہیں ملتی بلکہ مزید عذاب در عذاب ہوگا۔

درحقیقت عقیدۂ آخرت اور عذابِ قبر وہ اسلامی عقائد ہیں جو غیر مسلموں خصوصاً مشرکین کے عقیدۂ حیات کے بالکل متصادم اور خودکشی جیسے امراض کے تدارک کی بہترین صورت ہیں۔

صبر و شکر

یہ دنیا دارالامتحان ہے۔ اللہ رب العزت ہر طریقے سے اپنے بندے کو آزمانا چاہتے ہیں۔ کبھی فقر، بے روزگاری، مرض اور نامساعد حالات کے ذریعے سے امتحان لیا جاتا ہے اور کبھی ثروت، عزت و مقام، بہترین روزگار اور موافق حالات کے ذریعے۔ بندے کو ان دو مختلف حالات میں کیا کرنا چاہیئے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

عجبا لامر المؤمن انّ امره كله خير وليس ذلك لاحد الا للمؤمن ان اصابته سراء شكر فكان خيراً له واصابته ضراء صبرفكان خيراً له۔ (۵)

مؤمن کی عجیب شان ہے اس کی ہر حالت میں بھلائی ہے اور یہ صرف مؤمن کے لئے ہے۔ اگر اسے خوشحالی پہنچتی ہے تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور یہ اس کے

لئے خیر اور بہتر ہے اور اگر کوئی سختی اور تنگ حالی پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے اور یہ اس کے لئے خیر اور بھلائی کا باعث ہے۔

صبر وہ نسخہ ہے جو انسان کو بد سے بدتر حالات میں بھی سکونِ قلب عطا کرتا ہے اور جب صبر کرنے والوں کے اجر و ثواب اور قرب الی اللہ کا تصور کیا جائے تو حالات کا مقابلہ اور آسان ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ○ الَّذِيْنَ إِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ○ أُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُوْلٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ○ (٦)

اور البتہ ہم آزمائیں گے تم کو تھوڑے سے ڈر سے اور بھوک سے اور مالوں کے اور جانوں کے اور میووں کے نقصانوں سے اور خوشخبری دد صبر کرنے والوں کو کہ جب ان کو مصیبت پہنچے تو کہیں ہم تو اللہ ہی کا مال ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں ایسے ہی لوگوں پر عنایتیں ہیں اپنے رب کی اور مہربانی اور یہی لوگ سیدھی راہ پر ہیں۔

صاحب تفسیر مظہری لکھتے ہیں: مطلب یہ ہے کہ اے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم کسی قدر مصائب پہنچا کر برکاتِ سماویہ سے مستفید کریں گے جیسے کوئی کسی قوم کو آزمایا کرتا ہے کہ آیا یہ بلا و مصائب پر صبر کرتے ہیں یا نہیں اور رضا بالقضا سے آراستہ ہیں یا اس جوہر سے خالی ہیں۔ اس خوشخبری کی وجہ یہ ہے کہ مصائب کے نزول کے وقت نفس کو اطمینان رہے اور زیادہ پریشانی نہ ہو، مصائب اگرچہ فی نفسہ بہت سے ہیں لیکن جن مصائب سے اللہ تعالیٰ نے بندوں کو بچا رکھا ہے ان کی نسبت یہ کچھ بھی نہیں۔ (۷)

امام ترمذیؒ نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"قیامت کے روز جب دنیا کے مصیبت زدوں کو ثواب ملے گا تو جو لوگ آرام یافتہ ہیں وہ تمنا کریں گے کہ کاش ہماری کھال دنیا میں قینچی سے کاٹ دی جاتی کہ

ہمیں بھی یہ نعمتیں ملتیں"۔(۸)

ترمذی کی ایک اور روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ کیا تم نے میرے بندے کے فرزند اور لخت جگر کو لے لیا؟ فرشتے جواب دیں گے جی ہاں! فرمایا جائے گا کہ میرے بندے کا ردِ عمل کیا تھا؟ کہیں گے کہ اس نے انا للہ پڑھی اور آپ کی حمد (تعریف) کی۔ حکم ہو گا کہ جنت میں میرے بندے کے لئے ایک گھر بنایا جائے جس کا نام بیت الحمد ہو گا۔(۹)

علامہ وھبۃ الزحیلی تفسیر منیر میں لکھتے ہیں:

> "وہ صبر جو نفس پر بہت شاق ہے اور جس پر اجر عظیم کا وعدہ فرمایا گیا ہے اس وقت ہے جبکہ مصیبت کی آگ بھڑک رہی ہو اور پریشانیوں کا ھجوم ہو اس لئے کہ جب مصیبت کے شعلے ٹھنڈے ہو جائیں پھر تو ہر ایک صبر کر سکتا ہے۔"

حدیث میں جو فرمایا گیا ہے:

انما الصبر عند الصدمة الاولیٰ۔ (۱۰)

اس کا یہی مفہوم ہے۔(۱۱) یہ جاننا چاہئے کہ حادثے اور مصیبت کے وقت طبعی رنج و ملال کا ہونا انسانی فطرت ہے لیکن شکایت کا لب و لہجہ نہ اپنانا اور غیر شرعی کاموں سے بچنا ہی صبر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا جب انتقال ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور فرمایا:

العين تدمع والقلب يحزن ولا نقول الا مايرضى ربنا وانا بفراقك يا ابراهيم لمحزونون۔ (۱۲)

> آنکھ آنسو بہاتی ہے قلب اداس ہے اور ہم (اس حال میں بھی) وہی کہتے ہیں جو اللہ کی مرضی ہو اور اے ابراہیم ہم آپ کے فراق و جدائی میں بہت غمگین ہیں۔

اگر ذہن میں یہ سوال آجائے کہ سختی و پریشانی، بیماری و تنگدستی کسی کو بھی اچھی نہیں لگتی نہ اسمیں لذت ہے پھر آدمی کس طرح اسے برداشت کرے؟

حضرت مولانا تھانویؒ نے اس کا جواب دیا ہے کہ لذت اور چیز ہے اور رضا اور چیز، رضا کے لئے لذت کا ہونا ضروری نہیں جیسے کہ کسی کا آپریشن ہونے والا ہے کہ اس میں چیر پھاڑ ہو گی اور تکلیف ہو گی لیکن پھر بھی اس پر راضی ہے تو دیکھئے یہاں رضا تو ہے لیکن لذت نہیں ہے اس طرح بعض دفعہ حالات سے تکلیف بہت ہوتی ہے لیکن رضا پھر بھی باقی رہتی ہے۔(۱۳)

صبر اور تدبیر

صبر کے یہ معنی نہیں کہ بس آدمی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے۔ علاج معالجہ بھی چھوڑ دے کمانے کے لئے گھر سے باہر نہ نکلے اور اصلاح احوال کی ہر کوشش کو بے فائدہ سمجھے۔ حالات کا رخ بدلنے کے لئے تدبیر کرنا عین حکمت اور موافقِ شریعت ہے۔ ہمارے یہاں ایک مسئلے سے دوسرے مسئلے اور ایک مصیبت و پریشانی سے دوسری کے جنم لینے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہم حالات سے دلبرداشتہ ہو کر بیٹھ جاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہر کام خود بخود وقوع پذیر ہو جائے اور یہ قانونِ خداوندی کے خلاف ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احد کے موقع پر جب تدبیر کا وقت تھا تو دو زرہیں پہنے ہوئے تھے جبکہ باقی ساتھی ایک ایک زرہ میں ملبوس تھے۔(۱۴) اور جب صبر کا موقع آتا تو بھوک کی وجہ سے دو پتھر اپنے پیٹ پر باندھ رکھتے تھے اور دوسرے ساتھی ایک (۱۵) اس لئے یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ صبر تدبیر کے منافی نہیں اور تدبیر میں سب سے احسن تدبیر دعا ہے۔ آج ہمارا حال یہ ہے کہ روزگار کے لئے درخواست لئے دردر پھرتے ہیں اور کبھی اس رب ذوالجلال کے سامنے عجز وانکساری کے ساتھ ہاتھ پھیلانے اور مانگنے کی کوشش نہیں کرتے حالانکہ مراد پانے کے لئے دعا سب سے اہم چیز ہے اور نفسیاتی طور پر بھی اس سے آدمی کو بہت سکون و راحت پہنچتی ہے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:

> ”صحیح اور سچی کیمیا یہ ہے کہ جو اسباب اپنے امکان میں ہیں ان کے لئے محنت مزدوری کرے اور جو قدرت سے باہر ہیں جیسے قحط وغیرہ اس کے لئے اللہ سے دعا کرے“۔(۱۶)

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک انصاری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سوال کرنے آیا آپ ﷺ نے پوچھا کیا تیرے گھر میں کچھ ہے؟ اس نے کہا ایک ٹاٹ ہے جس کا ایک حصہ بچھا کر اور ایک حصہ اوڑھتے ہیں اور ایک پیالہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ لے کر آؤ۔ پھر صحابہ سے فرمایا یہ چیزیں کون خریدتا ہے۔ کسی نے کہا کہ میں ایک درہم میں خریدتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سے زیادہ قیمت کون دے گا۔ کسی نے کہا میں دو درہم دوں گا۔ آپ نے دو درہم لے کر اس انصاری صحابیؓ کو دے کر فرمایا ایک درھم سے گھر والوں کے لئے کھانا خریدو اور ایک درہم سے کلہاڑی خرید کر میرے پاس لاؤ۔ پھر آپ نے اپنے دست مبارک سے اس میں

دستہ لگا کر فرمایا: جنگل میں جاؤ اور لکڑیاں جمع کرو اور بیچا کرو اور پندرہ دن تک تجھے نہ دیکھوں پندرہ دن کے بعد جب آئے تو ان کی حالت پہلے سے بہتر ہو گئی تھی۔(۱۷)

یہ ہے حرکت میں برکت اور سعی و کوشش کا طریقہ۔ دوسری حدیث میں ہے کہ ایک سال مدینہ منورہ میں قحط پڑا آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر جلوہ افروز تھے ایک صحابیؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ مال مویشی ہلاک ہو گئے اور لوگ بھوکے ہیں آپ دعا فرمادیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور اگلے جمعہ تک مسلسل بارش ہوتی رہی۔ پھر انہی صحابیؓ نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ سب گھر خراب ہو گئے اور سب اموال غرق آب ہو گئے آپ دعا فرمادیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تو بارش رک گئی۔(۱۸)

یہ ہے دعا کا نتیجہ۔ خلاصہ یہ ہوا کہ حالات درست اور خوش حالی ہو تو شکر اور مشکلات میں صبر اور تدبیر سے کام لینا چاہئے۔

کفایت شعاری اور ترک اسراف

فقر و تنگدستی اور معاشی بدحالی کا ایک اہم سبب بے جا اسراف اور قناعت پسندی کا فقدان ہے۔ آج کے انسان نے بہت ساری غیر اہم اور قطعاً غیر ضروری اشیا کو بھی ضروریاتِ زندگی میں داخل کر دیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ آمدنی اور کمائی کے نشے میں ایسا مدہوش ہو گیا ہے کہ اپنے انجام سے بھی بے خبر ہے۔ اپنی تخلیق اور حیاتِ مستعار کا مقصد بھول بیٹھا ہے اور مال و دولت کے بارے میں اسلام کے نظریئے کو فراموش کر دیا ہے۔ حالانکہ اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں ایک مسافر کی حیثیت سے رہتا ہے اور مسافر اپنا سامانِ سفر کم سے کم اور ہلکے سے ہلکا رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

كن في الدنيا كانّك غريب او عابر سبيل ۔ (۱۹)

دنیا میں کسی مسافر بلکہ کسی رہگذر کی طرح زندگی گزارو۔

حافظ ابن حجرؒ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں: انسان دنیا میں اُس غلام کی طرح ہے جس کے مالک نے اس کو کسی کام کے لئے دوسرے شہر بھیجا ہو، اس کی شان یہ ہوتی ہے کہ جلدی جلدی مفوضہ کام نمٹا کر اپنے وطن واپس لوٹتا ہے، اور مفوضہ کام کے علاوہ کسی اور کام میں اپنے آپ کو مصروف نہیں کرتا۔(۲۰)

دوسری حدیث میں باغ و بستاں لگانے کو اللہ کی یاد سے غافل اور دنیا میں دل لگانے کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد گرامی ہے:

لا تتخذ وا الضیعة فتر غبوافی الدنیا۔ (۲۱)

(ضرورت سے زیادہ) باغ و کھیت نہ بنایا کرو کہیں تم دنیا میں رغبت نہ کرنے لگو۔

ظاہر ہے کہ اس کے تحت زیادہ جائیداد، سر بفلک عمارتیں اور وسیع و عریض پلاٹ سب داخل ہیں، اور یہ سب قناعت پسندی کے خلاف ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کی کسی گلی سے گزر رہے تھے ایک عمارت کی چھت قبہ اور گنبد نما بنائی گئی تھی، اسے دیکھ کر استفسار فرمایا کہ یہ کس کا مکان ہے؟ جواب ملا فلاں انصاری کا۔ دوسرے دن جب وہ انصاری صحابیؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تو آپ نے وہ جوش محبت کا اظہار نہیں فرمایا جو آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی حتیٰ کہ سلام کا جواب بھی نہیں دیا۔ صحابی فکر مند ہو کر ساتھیوں سے اس کی وجہ معلوم کرنے لگے، جب ان کو بتایا گیا تو جا کر اس گنبد کو زمین بوس کر دیا، کچھ دن کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں سے گزر ہوا تو فرمایا اس گنبد کا کیا ہوا؟ صحابہؓ نے پورا واقعہ آپ ﷺ کو بتایا آپ ﷺ نے فرمایا: خبردار ضرورت کے علاوہ ہر عمارت مالک کے لئے وبال جان ہے۔ (۲۲)

اخراجات میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنے کو نصف معیشت فرمایا گیا ہے۔

الاقتصاد فی النفقة نصف المعیشة۔ (۲۳)

خرچ کرنے میں میانہ روی کرنا آدھی معیشت ہے۔

قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے۔

كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا۔ (۲۴)

کھاؤ اور پیو اور اسراف سے گریز کرو۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ لکھتے ہیں کہ اس سے ثابت ہوا کہ کھانے پینے کی تو اجازت ہے لیکن بھوک سے اور ضرورت سے زیادہ کھانا پینا اسراف میں داخل ہے اس لئے فقہا نے پیٹ بھرنے سے زائد کھانے کو ناجائز لکھا ہے۔ (۲۵)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان من السرف ان تاكل كل ما اشتهيت ۔ (۲۶)

یہ بھی اسراف ہے کہ جس چیز کی تجھے خواہش ہے وہ کھائے۔

مطلب یہ ہے کہ نفس کے ہر تقاضے کو پورا کرنا اور ہر خواہش پر لبیک کہنا بھی اسراف ہے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نہر کے کنارے وضو کر رہے تھے اور ضرورت سے زیادہ پانی لے رہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا:

ماهذا السرف ؟

یہ کیا اسراف ہے؟

حالانکہ وضو میں استعمال شدہ پانی دوبارہ نہر میں گرتا ہے اور اس میں اسراف کا تصور نہیں ہوتا اور دوسری بات یہ کہ وضو باعث ثواب اور نیک عمل ہے پھر اسراف کیسا ہوگا اس لئے حضرت سعدؓ نے عرض کیا أفي الوضوء اسراف؟ کیا وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نعم و لو كنت على نهر جار ۔

جی ہاں وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے چاہے آپ بہتی ہوئی نہر کے کنارے بیٹھے ہوئے کیوں نہ ہو۔(۲۷)

اسراف کی ممانعت اور اسراف کرنے والوں کی مذمت بہت سی آیات واحادیث میں وارد ہے۔ جن کو طوالت کے خوف سے ترک کیا جاتا ہے۔

فقر کی فضیلت

آج کے معاشرے میں ایک بڑی خرابی یہ بھی ہے کہ فقر کو عیب اور باعثِ شرمندگی سمجھا گیا ہے۔ امیر آدمی تحقیر آمیز نگاہوں سے غریب کو دیکھتا ہے اور خود غریب بھی اپنے آپ کو معاشرے کے کمتر لوگوں میں شمار کرتا ہے۔ جب مالدار کو دیکھتا ہے اس کا دل دکھتا ہے۔ جب اپنی مفلسی پر نظر ڈالتا ہے تو اسے کوفت ہوتی ہے اور وہ تمام نعمتیں جن سے اللہ تعالیٰ نے اس کو نوازا ہے یکدم ویکسر بھول جاتا ہے۔ حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اذا نظر احدكم الى من فضّل عليه فى المال و الخلق فلينظر الى

من هو اسفل منه ممن فضّل علیه۔ (۲۸)

جب کوئی ایسے آدمی کو دیکھے جو مال و عیال میں اس سے بہتر ہے تو چاہئے کہ اس آدمی کے بارے میں غور کرے جس پر یہ خود فوقیت رکھتا ہے۔

صاحب فیض القدیر مذکورہ حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لفظ خَلق خاء کے فتح کے ساتھ لغت کے اعتبار سے چہرے کے معنی میں آتا ہے اور یہاں اس سے مراد مال و دولت، اہل و عیال، زینت و آرائش اور ہر وہ چیز ہے جو دنیا سے متعلق ہو۔ (۲۹)

شیخ سعدیؒ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ دمشق کی جامع مسجد میں آیا جبکہ میرے پاؤں میں جوتے نہ تھے اور میں سوچ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے پہننے کے لئے جوتے تک نہ دئے اچانک ایسے آدمی پر نظر پڑی جو پاؤں سے معذور تھا، فوراً اللہ کا شکر ادا کیا کہ پاؤں کی نعمت سے محروم نہیں ہوں۔ (۳۰)

یہ تصور اور طرز فکر کہ غریب آدمی معاشرے کے اندر خود کو کمتر سمجھے یا کوئی اور دوسری نظر سے اس کو دیکھے اسلام کی روح، ارشادات الٰہی اور تعلیمات نبوی ﷺ کے سراسر خلاف ہے۔ شریعتِ مطہرہ نے فضیلت و برتری کا دارومدار تقویٰ و پرہیزگاری کو بنایا ہے نہ کہ دولت و ثروت کو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ۔ (۳۱)

اللہ کے نزدیک تم سب میں. بڑا شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انّ اللّٰه لا ینظر الی صورکم و اموالکم و لکن ینظر الی قلوبکم و اعمالکم۔ (۳۲)

اللہ تعالیٰ تمہاری ظاہری شکل و صورت اور مال و دولت کو نہیں دیکھتا بلکہ باطنی اخلاق اور ظاہری اعمال کو دیکھتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کی ایک جماعت میں تشریف فرما تھے سامنے سے ایک آدمی گزرا آپ نے فرمایا: تم لوگوں کی اس کے بارے میں کیا رائے ہے؟ صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا: حقیقی رائے تو آپ ہی کی ہے ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ شریف خاندان کا آدمی ہے اور اس لائق ہے کہ اگر نکاح کا پیغام دے تو منظور کیا جائے۔ کسی کی سفارش کرے تو قبول

کی جائے۔ بات کرے تو غور سے سنی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ دوسرا آدمی گزرا پھر وہی سوال ہوا جواب ملا کہ یہ تو غریب آدمی ہے، اس کی شان یہ ہے کہ نکاح کا پیغام دے تو رد کر دیا جائے، سفارش کرے تو نامنظور ہو، بات کرے تو کوئی توجہ نہ دے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا اس جیسے صاحب ثروت افراد سے بھر جائے پھر بھی یہ غریب شخص ان سے اچھا ہے۔(۳۳)

اگر انسان ان فضائل وبشارات کا تصور کرے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غریب یا کم مالدار کے لئے بیان فرمائے ہیں تو اس کو اپنی غربت پر ناز آئے، یہی کیا کم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یا معشر الفقراء الا ابشّرکم انّ فقراء المؤمنین یدخلون الجنّة قبل اغنیاء هم بنصف یوم خمسمائة عام ۔ (۳۴)

اے غریبوں کی جماعت کیا تمہیں خوشخبری نہ سناؤں کہ مسلمان فقیر مالداروں سے آدھا دن پہلے جنت میں جائیں گے یعنی (دنیا کے) پانچ سو سال پہلے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اہل خانہ سے زیادہ کون محبوب اور قابل فخر ہو سکتا ہے اس کے باوجود ازواج مطہرات کے گھروں میں کئی مہینے گزر جاتے اور آگ جلانے کی نوبت تک نہ آتی بس کھجور اور پانی پر گزر بسر ہوتا۔(۳۵) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ دنیا و آخرت میں غریبوں کے ساتھ رہیں۔ آپ ﷺ یہ دعا فرماتے تھے:

اللّٰهمَّ احینی مسکینا و امتنی مسکینا و احشرنی فی زمرة المساکین۔ (۳۶)

اے اللہ مجھے غربت کی زندگی اور غربت کی موت عطا فرما اور قیامت میں مساکین کی جماعت میں شامل فرما۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم لکھتے ہیں: دراصل عام طور سے ثروت گناہ و سرکشی کا سبب بنتی ہے اور غربت اللہ کی عبادت، رجوع الی اللہ اور تواضع و انکساری کا، تو بہتر یہی ہے کہ انسان مالداری میں بہت زیادہ فراخ دلی سے کام نہ لے۔(۳۷)

البتہ یہ بات قابل لحاظ ہے کہ یہ تمام فضائل اس مسلمان فقیر کے لئے ہیں جو تنگی اور

غربت میں صبر سے کام لے اور آخرت کو مقصود بنائے، اگر خدانخواستہ فقر بے صبری، شکوے شکایت اور اللہ کے فیصلوں پر ناراضگی کا سبب بننے لگے تو اس کا انجام بڑا بھیانک ہوگا۔ حدیث میں آیا ہے:

کاد الفقران یکون کفراً۔ (۳۸)

قریب ہے کہ فقر کفر کا سبب بن جائے۔

اسلام کی معاشی تعلیمات

انسانیت مالی بدحالی کے جس گرداب میں مبتلا ہوچکی ہے اس کی اہم ترین وجہ یہ ہے کہ اس نے خدائی قوانین و ضوابط کی بجائے انسانوں کے خود ساختہ نظامِ معیشت پر یقین کیا ہوا ہے اور افسوس کا مقام ہے کہ مسلمان بھی جس کے پاس وہ زریں اور معجزہ آفریں تعلیمات موجود ہیں اسے چھوڑ کر کسی اور راستے سے منزل مقصود کی طرف رواں ہے۔

این رہ کہ تومی روی بترکستان است

معیشت ایک طویل اور بحث طلب موضوع ہے اور اس پر علما و فضلا نے کافی کام کیا ہے۔ ہم یہاں پر انتہائی اختصار کے ساتھ اس کا ایک خاکہ پیش کرنا چاہتے ہیں۔

معیشت اسلامی تعلیمات کا ایک بہت اہم شعبہ ہے لیکن یہ بات ہر وقت ذھن نشین ہونی چاہئے کہ دوسرے معاشی نظاموں کی طرح اسلام میں معیشت انسان کی زندگی کا بنیادی مسئلہ نہیں ہے بلکہ بنیادی مسئلہ معبود حقیقی کی رضا کی تلاش اور عبادت ہے۔

دنیا کی تاریخ اس امر کی شاہدِ عدل ہے کہ قدیم و جدید تمام نظام ہائے حکومت میں ایک بھی نظام ایسا نہیں جو انسانی دنیا کے اندر فلاح و خوش عیشی اور عدل و انصاف دونوں کو باہم ملا کر امن و سلامتی کی راہ ہموار کرسکے، اور یہ تو وھم بھی نہیں ہوسکتا کہ ان کے پیش کردہ نظریوں اور عملی تجربوں نے دنیوی سربلندیوں کے ساتھ انسانی حیات کے مقصدِ وحید یعنی اللہ اور اس کے بندوں کے درمیانی رشتے کو مضبوط کرنے اور اخلاقِ کریمانہ کی رفعتوں تک پہنچانے کی خدمت انجام دی ہو، یہ سب کچھ اسلامی نظام زندگی ہی کا خاصہ ہے۔

اسلام نے معیشت کے لئے ایسا دائرہ کار بنایا جس میں اونچ و نیچ کا وہ غیر فطری فرق ہی موجود نہیں جس سے ایک جماعت بے قید سرمائے و دولت کی مالک بن جائے اور دوسری اس کے

سامنے دست سوال پھیلا کر فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرے اور اس کے دست تظلم کا شکار بنے۔

قرآن کریم نے اپنی اساسی روش کے مطابق عبادات، معاشرتی معاملات، سیاسیات اور دیگر شعبہ ہائے زندگی کی طرح معاشیات میں بھی صرف اساسی اصول اور معجزانہ اختصار کے ساتھ قواعد و کلیات کا ہی ذکر کیا ہے۔

حق معیشت میں مساوات

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔ (۳۹)

اور (زمین) پر موجود ہر جاندار کا رزق اللہ ہی کے ذمے ہے۔

اس آیت میں رزق اور معاش کا حقیقی تعلق صرف ذات الٰہی سے وابستہ ہونے کا بیان ہے کہ وہی ہر فرد کا کفیل ہے، اگرچہ اس کی مصلحتِ عام اور حکمتِ تام کا تقاضا یہ ہے کہ دنیا کے متنوع ماحول میں رزق کے اندر تفاوتِ درجات پایا جائے لیکن امارت و غربت کے فطری تنوع کے باوجود یہاں ایک فرد بھی محروم المعیشت نہ رہنے پائے، اور اس عظیم مقصد کو پورا کرنے کا فریضہ نائب الٰہی یعنی خلیفہ پر عائد ہوتا ہے کہ قلمرو اسلامی میں ایک فرد بھی ایسا نہیں ہونا چاہئے جو حق معیشت سے محروم ہو جو حکومت اس منشا الٰہی کو پورا نہ کرتی ہو وہ فاسد نظام کی حامل اور نظام عادل سے منحرف ہے۔ ابو سعید خدریؓ کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم : من کان معه فضل ظهر فلیعد به علی من لا ظهر له ومن کان له فضل من زادٍ فلیعد به علی من لا زادله فذکرمن اصناف المال ماذکر حتی رأینا انه لا حق لا حد منافی فضل۔ (۴۰)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے پاس زائد سامان قوت و طاقت ہو اس کو دے جس کے پاس نہیں ہے۔ اور جس کے پاس سامان خورد و نوش زائد از ضرورت ہو اس کو لوٹا دے جس کے پاس نہیں، اسی طرح بہت سارے اموال کے بارے میں فرمایا یہاں تک کہ ہم سمجھنے لگے کہ زائد سامان پر کسی مالک کا کوئی حق نہیں۔

اگرچہ حق معیشت میں سب مساوی ہیں لیکن درجات معیشت میں مساوی نہیں ہیں اور معیشت میں درجات کا تفاوت ایک فطری امر ہے مگر درجات کا یہ تفاوت ایسے اعتدال پر قائم رہنا چاہئے کہ کسی حالت میں بھی وہ لوگوں کے درمیان وجہ ظلم نہ بن سکے یعنی تفاوت درجات تو ہو لیکن ایسا نہ ہو کہ معیشت انسانوں کو دو طبقوں میں اس طرح تقسیم کر دے کہ ایک کی ترقی دوسروں کے فقر و افلاس کا سبب بنے۔ قرآن نے اس تفاوت درجات کو اس طرح بیان کیا ہے:

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ (۴۱)

ہم نے بانٹ دی ہے ان میں روزی ان کی دنیا کی زندگانی میں اور بلند کر دئے درجے بعض کے بعض پر۔

وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَكُمْ خَلائِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَآ ءَاتَاكُمْ ۔ (۴۲)

اور اسی نے تم کو نائب کیا ہے زمین میں اور بلند کر دیے تم میں درجے ایک کے ایک پر تاکہ آزمائے تم کو اپنے دئے ہوئے حکموں میں۔

دوسری اہم بات جس کو قرآن کریم نے بیان کیا یہ ہے کہ دولت اور سرمایہ داری کے وہ اصول قطعاً ناقابل تسلیم ہیں جن میں احتکار و اکتناز کی کوئی صورت بھی بن سکے اور ان سے دولت و کنز پھیلنے اور تقسیم ہونے کی بجائے سمٹ کر خاص حلقوں میں اور مخصوص طبقوں میں محدود ہو جائے۔ ارشاد ہے:

وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْ نَهَا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَا هُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُم تَكْنِزُوْنَ ○ (۴۳)

جو لوگ گاڑھ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اس کو خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں سو ان کو خوشخبری سنا دے عذاب دردناک کی۔ جس دن کہ آگ دہکائیں گے اس پر دوزخ کی پھر داغیں گے اس سے ان کے ماتھے اور کروٹیں اور پیٹھیں

(کہا جائے گا) یہ ہے جو تم نے گاڑھ کر رکھا تھا اپنے واسطے اب چکھو مزا اپنے گڑاھنے کا۔

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُولَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ۔ (۴۴)

تاکہ نہ آئے لینے دینے میں دولتمندوں کے تم میں سے۔

یعنی مصارف اموال اس لئے بتائے تاکہ یہ اموال محض دولتمندوں کے الٹ پھیر میں پڑ کر ان کی مخصوص جاگیر بن کر نہ رہ جائے۔(۴۵)

تیسری بات یہ ہے کہ وہ تمام معاملات ناجائز و حرام ہیں. جس سے فاسد معیشت بروئے کار آئے اور محنت و معیشت کے لئے جائز جدو جہد بے حقیقت ہو کر رہ جائے اور محنت و سرمایہ کے درمیان اعتدال اور توازن باقی نہ رہے اس لئے سود کے ہر قسم کے تجارتی کاروبار، جوے کی تمام اقسام، احتکار و اکتناز کی تمام اشکال اور اسی طرح عقود فاسدہ کی تمام صورتیں ناجائز و حرام ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کسب معیشت کے بارے میں ہر فرد کو حکم دیئے ہیں کہ اپنی استعداد کے مطابق معیشت کے لئے کچھ تگ و دو کرے ایسا نہ ہو کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر معاشرے کے دوسرے افراد پر بوجھ بن جائے، البتہ شرط یہ ہے کہ وہ کمائی حلال ہو، ارشاد ہے۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلوٰةُ فَانْتَشِرُوافِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوامِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُو اللّٰهَ۔ (۴۶)

پس جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل (رزق) کو تلاش کرو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

طلب کسب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ۔ (۴۷)

حلال روزی تلاش کرنا دین کے اولین فرائض کے بعد دوسرا فریضہ ہے۔

پھر عمومی خطاب کے ذریعے سب کو انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب، رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے حالات سے واقف ہونے اور ان کے ساتھ مالی تعاون کرنے کی ہدایت دی گئی ہے اور اصحاب ثروت کو زکوٰۃ دینے کا حکم ہے، نیز وقف، وصیت، عشر، خراج، جزیہ اور ان جیسے بہت احکام ہیں جن سے مال کسی ایک فرد کے پاس جمع ہونے کی بجائے معاشرہ میں گردش کرتا رہتا ہے اور اس

کے بعد اہم ترین چیز خلیفہ اور اصحاب حکومت کی امانت داری، خداترسی، ہمدردی، جواب دہی کا احساس، منظم اور فعال شعبۂ احتساب وغیرہ ہیں جن سے وہ مال حقدار تک پہنچ جائے۔ یہ سب وہ احکام ہیں جن کے ذریعے ایک خوشحال معاشرہ وجود میں آسکتا ہے جس کا مشاہدہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور خلافت میں کیا جاسکتا ہے۔

لا علاج مرض

اللہ تعالیٰ کی بے پایاں نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت صحت ہے جس کے مقابلے میں دنیوی مال و متاع ہیچ ہے۔ لیکن انسان ہر وقت ایک حال پر نہیں رہتا، آج اگر تندرست ہے تو کل بستر بیماری پر پڑا ہوا نظر آئے گا۔ بہت سے لوگوں کے پاس دولت کی کوئی کمی نہیں گھر میں بھی راحت کے تمام اسباب مہیا ہیں اور دنیا کی خوشیوں کے تمام مواقع ان کو میسر ہیں اس کے باوجود نعمت صحت سے محرومی کی وجہ سے ان کے چہرے ہر وقت مرجھائے ہوئے ہیں اور ہر خوشی ان کو پھیکی لگتی ہے۔ کبھی بیماری بظاہر لا علاج نظر آتی ہے اور بیمار خود کو دوسروں پر بوجھ سمجھتا ہے اور خود اپنے آپ سے بیزار ہو جاتا ہے اور دردر کی ٹھوکریں کھاکر آخر کار زندگی سے تنگ آجاتا ہے اور موت کو زندگی پر ترجیح دیتا ہے۔

ان فطری مراحلِ زیست سے عہدہ براہونے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ اقدامات تجویز کئے ہیں۔

عیادت

جب انسان بیمار ہو جاتا ہے خاص طور سے جب بیماری شدت اختیار کر جاتی ہے تو طبعی طور پر انسان کم حوصلہ ہو جاتا ہے اور اپنے آپ کو اس بیماری کے سامنے عاجز و کمزور سمجھنے لگتا ہے، گھر میں بستر علالت پر رہ کر شکستگی و اضمحلال محسوس کرتا ہے اور تنہائی میں زیادہ سوچنے کی وجہ سے بیماری کے خطرناک نتائج بھی زیاد ہوتے ہیں، جس سے قوت مدافعت مزید کمزور ہو جاتی ہے۔ ان حالات میں اس کا حوصلہ بڑھانے، اس کو ہمت دلانے اور اس کی تنہائیوں میں اس کا رفیق بننے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے شریعت مطہرہ کے اندر مریض کی عیادت کا حکم دیا گیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بڑے فضائل بیان فرمائے ہیں۔ بخاری اور مسلم میں روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حق المسلم علی المسلم خمس ردّالسلام و عیادۃ المریض و اتباع الجنائز و اجابۃ الدعوۃ و تشمیت العاطس۔ (۴۸)

مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں سلام کا جواب، بیمار کی عیادت، جنازہ کی ہمراہی، قبول دعوت، چھینکنے والے کو جواب دینا، (یرحمک اللہ کہنا)

دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے:

عائد المریض فی مخرفۃ الجنۃ حتی یرجع۔ (۴۹)

مریض کی عیادت کرنے والا واپسی تک جنت کے باغ میں رہتا ہے۔

علامہ قرطبیؒ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں: چونکہ عیادت کرنے والے کو بہت ثواب ملتا ہے جو جنت میں جانے کا ذریعہ ہے تو گویا وہ دنیا ہی میں جنت کے باغات میں گھوم رہا ہے پھر کہتے ہیں کہ لفظ عیادت (جو کہ عود بمعنی لوٹنا سے مأخوذ ہے) خود بتا رہا ہے کہ ایک بار جانا کافی نہیں بلکہ بار بار جاکر اس کی طبیعت معلوم کرنی چاہئے۔ (۵۰) البتہ یہ حکم جب ہے کہ مریض پر گراں نہ ہو۔ مریض کی دلجوئی اور حوصلہ افزائی کرنی چاہئے اور اس کے سامنے وہ باتیں کرنی چاہئیں جس سے اس کا دل خوش ہو اور وہ اپنے مستقبل کے بارے میں پرامید رہے اور اس میں مرض کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ پیدا ہو جائے۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے:

اذادخلتم علی المریض فنفّسوا لہ فی اجلہ فانّ ذالک لا یردّ شیئا و یطیب بنفسہ۔ (۵۱)

جب مریض کے پاس جاؤ اس کو بیماری کے بارے میں اطمینان دلاؤ اگرچہ یہ حوصلہ افزائی اس کی موت کو مؤخر نہیں کرتی لیکن اس کا دل خوش ہو جاتا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ بیمار تھے کسی شخص نے آکر ان کی بیماری کے سلسلے میں ناخوش آئند باتیں شروع کیں، اس کے جانے کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا کہ یہ شخص آئندہ میرے پاس نہ آئے۔ (۵۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کی بیمار پرسی کے لئے جاتے تو فرماتے:

لابأس طھور ان شاء اللہ۔ (۵۳)

کوئی مسئلہ نہیں ان شاءاللہ یہ بیماری گناہوں سے پاکی کا ذریعہ ہے۔

گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بیمار کو یہ حکم دیا کہ دل و دماغ میں اس یقین کو بسا دے کہ بیماری اللہ کی طرف سے ہے اور یہ اس کا فیصلہ ہے جس پر صبر کرنے سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

گھریلو پریشانیاں

گھر وہ مختصر معاشرہ ہے جس کی آبادی یا بربادی آدمی کے بننے یا بگڑنے میں سب سے پہلا اور سب سے اہم کردار ادا کرسکتی ہے۔ اور گھر وہ واحد مکان ہے جہاں انسان باہر کے شور شرابے، ہنگامے اور تھکاوٹ سے بھاگ کر پناہ لیتا ہے۔ اس لئے بہت ضروری ہے کہ اس کی فضا اور ماحول انتہائی پر سکون اور اطمینان بخش ہو۔ وہ ملازم یا کاریگر جو صبح سے لے کر شام تک کچھ کمانے اور بیوی بچوں کے پیٹ بھرنے کے لئے خون پسینہ ایک کر کے جان کی بازی لگاتا ہے اور شام کو تھکے ہارے گھر کا رخ کرتا ہے یقیناً اور بجا طور پر اس کی توقع ہوتی ہے کہ گھر پہنچنے پر اس کا بہتر طریقے سے استقبال کیا جائے اور اس کی راحت و سکون کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔ اسی طرح جو خاتون دن بھر گھر کے کاموں میں مصروف رہتی ہے اور بچوں کی نگہداشت اور دیکھ بھال کے فرائض انجام دیتی ہے وہ بھی یہی چاہتی ہے کہ گھر کے دوسرے افراد اس کی محنت کو قدر کی نگاہ سے دیکھ کر اس کی کارکردگی سے اطمینان کا اظہار کریں اور خوش اخلاقی اور خندہ پیشانی سے اس کی تھکاوٹ کو دور کریں۔ اولاد بھی جو سرمایۂ زندگی اور اس گلشن کا پھول شمار ہوتی ہے پیار و محبت کی منتظر رہتی ہے اور چاہتی ہے کہ گھر میں ان کو اور ان کی بات کو اہمیت دی جائے اور ان سے پیار و محبت کا برتاؤ کیا جائے اگر گھر کا ماحول اس کے برخلاف ہے کوئی کسی کی بات سننے کے لئے تیار نہیں بات بات پر بہانے اور عیب تلاش کئے جاتے ہیں اور ہر وقت سوائے رنج و تکلیف کے اور کچھ گھر میں حاصل نہیں تو انسان گھر اور گھر والوں سے بیزار ہو کر دنیا کے اس جہنم سے خلاصی کے درپے ہو جاتا ہے۔

میاں بیوی اور اولاد کے حقوق

ان حالات سے بچنے کے لئے اسلام نے گھر کے ہر فرد کے لئے مقام و حقوق متعین کئے ہیں اور دوسروں کو ان حقوق کی پاسداری اور اس مقام کی رعایت کی تاکید کی ہے تاکہ گھر کی فضا پر سکون اور اطمینان بخش رہے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں: زوجین (میاں بیوی) کا تعلق ایسا ہوتا ہے کہ ہر وقت کا سابقہ رہتا ہے اور مرد اپنی مصلحتوں کی وجہ سے قطع تعلق (یعنی اس

کو چھوڑنا) پسند نہیں کرتا اور نہ عورتوں کی جہالت کو برداشت کرتا ہے تو یہاں ہمیشہ کے لئے لڑائی جھگڑے کی بنیاد قائم ہو جاتی ہے جس کے نتائج جانبین کے حق میں برے سے برے پیدا ہوتے رہتے ہیں اور دونوں کی زندگی موت سے بھی تلخ ہو جاتی ہے ان سب کا سبب وہی شروع میں اصلاح کی طرف توجہ نہ کرنا ہے۔(۵۴)

عورت کو یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو اس پر فوقیت دی ہے اور وہی گھر میں صاحب اختیار ہوتا ہے، یہ فرق مراتب اللہ کی طرف سے ہے جس کی پابندی ہر مسلمان عورت کے لئے لازمی اور ضروری ہے اس لئے جب تک شوہر خلاف شرع کوئی حکم نہ کرے اس کی فرمانبرداری کرنی چاہئے، اگر شوہر کی بات خلاف مصلحت ہو تو ایسے وقت میں بیان کرے جب ماحول اس گفتگو کے لئے سازگار ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ بِمَافَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ۔ (۵۵)

مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس واسطے کہ بڑائی دی اللہ نے ایک کو ایک پر اور اس واسطے کہ خرچ کئے انہوں نے اپنے مال۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے اس آیت کے تحت ایک جامع بحث فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مردوں کی عورتوں پر برتری کو قرآن حکیم نے ایک حکیمانہ طرز پر بیان کیا ہے کہ مردوں کی یہ فضیلت اور تفوق خود عورتوں کی مصلحت اور فائدے کے لئے اور عین مقتضائے حکمت ہے اس میں عورت کی نہ کسرِ شان ہے نہ اس کا کوئی نقصان ہے۔ قوام عربی زبان میں اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی کام یا نظام کا ذمہ دار اور چلانے والا ہو۔(۵۶) اس لئے اس آیت میں قوام کا ترجمہ عموماً حاکم کیا گیا ہے۔ یعنی مرد عورتوں پر حاکم ہیں، مراد یہ ہے کہ ہر اجتماعی نظام کے لئے عقلاً اور عرفاً یہ ضروری ہوتا ہے کہ اس کا کوئی سربراہ یا امیر اور حاکم ہوتا ہے کہ اختلاف کے وقت اس کے فیصلے سے کام چل سکے۔ جس طرح ملک و سلطنت اور ریاست کے لئے اس کی ضرورت سب کے نزدیک مسلم ہے اسی طرح امور خانہ داری میں بھی ایک امیر اور سربراہ کی ضرورت ہے عورتوں اور بچوں کے مقابلے مس اس کام کے لئے حق تعالیٰ نے مردوں کو منتخب فرمایا کہ علمی و عملی قوتیں بہ نسبت عورتوں اور بچوں کے زیادہ ہیں، پھر اللہ نے اس انتخاب کی حکمت اور وجہ بھی بتلا دی

تاکہ عورتوں پر کوئی ناگوار اثر نہ ہو۔ ایک وجہ وہبی ہے جس میں کسی کے عمل کا دخل نہیں، دوسری کسبی جو عمل کا اثر ہے۔ پہلی وجہ یہ ارشاد فرمائی:

بما فضّل اللّٰہ بعضھم علی بعض۔

یعنی اللہ نے دنیا میں خاص حکمت و مصلحت کے تحت ایک کو ایک پر بڑائی دی ہے جیسے ایک خاص گھر کو اللہ نے بیت اللہ اور قبلہ قرار دیا اسی طرح مردوں کی حاکمیت بھی ایک خداداد فضیلت ہے۔ جس میں مردوں کی سعی و عمل یا عورتوں کی کوتاہی و بے عملی کا کوئی دخل نہیں۔ دوسری وجہ کسبی اور اختیاری ہے کہ مرد اپنا مال عورتوں پر خرچ کرتے ہیں، مہر ادا کرتے ہیں اور ان کی تمام ضروریات کی ذمہ داری اٹھاتے ہیں۔(۵۷)

حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

اگر میں اللہ کے علاوہ کسی کو سجدہ کرنے کی اجازت دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔(۵۸)

اطاعت شعار عورت کے لئے شریعت میں .بہت سی فضیلتیں بیان ہوئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ .وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِیْنَ وَالْقَانِتَاتِ۔ (۵۹)

یقیناً مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایمان دار مرد اور ایمان دار عورتیں اور بندگی کرنے والے مرد اور بندگی کرنے والی عورتیں۔

علامہ آلوسیؒ اور دیگر مفسرین نے قانتین اور قانتات کے معنی اطاعت کرنے والے مرد اور اطاعت کرنے والی عورتیں بیان کئے ہیں۔(۶۰) یعنی وہ شریعتِ مطہرہ کے ہر حکم کی اطاعت کرتی ہیں اور چونکہ شریعت نے عورت کو شوہر کی تابعداری کا حکم دیا ہے تو وہ اس حکم میں بھی اطاعت کو اپنا شعار بناتی ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

عَسٰی رَبُّہٗ اِنْ طَلَّقَکُنَّ اَنْ یُّبْدِلَہٗ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْکُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ۔ (۶۱)

اگر نبی چھوڑے تم سب کو ابھی اس کا رب بدلے میں دیدے اس کو عورتیں تم

سے بہتر حکم بردار یقین رکھنے والیاں نماز میں کھڑی ہونے والیاں۔

اس بارے میں مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ قنتت کے ایک معنی ہیں خشوع و خضوع اختیار کرنے والی عورتیں اور دوسرے معنی ہیں شوہر کی اطاعت کرنے والی عورتیں۔(۶۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

جو عورت اس حال میں رات گزارے (بعض روایات کے مطابق اس حال میں مر جائے) کہ اس کا شوہر اس سے راضی ہو وہ جنتی ہے۔(۶۳)

دوسری بات یہ کہ عورتیں عام طور سے شوہروں کے مال میں بہت بے احتیاطی سے کام لیتی ہیں، اسراف اور فضول خرچی بہت کرتی ہیں اور ایسے بے جا مطالبات شوہر سے کرتی ہیں کہ وہ مجبور ہو کر حرام و حلال میں فرق کئے بغیر ہر وقت کمانے کی فکر میں رہ کر دین سے غافل ہو جاتا ہے اور جو گھر یاد خدا، شرعی احکام کی پابندی اور اسلامی طرز زندگی کے اصول سے خالی ہو اور گھر کے افراد حرام مال سے شکم سیر ہوں تو وہاں پریشانی، بے چینی، بے اصولی اور اخلاقی بگاڑ لازمی بات ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الا کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیة۔ (۶۴)

اس حدیث کے مطابق عورت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ شوہر کو دینی کاموں کی طرف ترغیب دے اور جس طرح اپنے دنیوی مطالبات کے لئے شوہر سے اصرار کرتی ہے اسی طرح دین کے معاملے میں بھی اس سے درخواست کرتی رہے ورنہ قیامت کے دن اس کا مؤاخذہ ہوگا کہ شوہر کو حرام کمانے پر کیوں مجبور کیا؟ اس کے اعمال و اخلاق کی اصلاح کی فکر کیوں نہیں کی؟ دوسری طرف شوہر کو بھی احساس ہونا چاہئے کہ اگرچہ اللہ نے اس کو حاکم اور عورت کو محکوم بنایا ہے پھر بھی ان دونوں کے درمیان دوستی کا تعلق بھی ہے اس لئے بہت ضروری ہے کہ مرد عورت کی خواہشات اور ترجیحات کا جہاں تک ممکن ہو اور شریعت کی اجازت ہو احترام کرے اور ہر وقت اپنی ہی بات پر اصرار کرنے سے گریز کرے۔ سرور کائنات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن معاشرت کا کتنا ہی پیارا سبق دیا ہے کہ کچھ صحابہ نیزہ بازی میں مصروف تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خواہش تھی کہ وہ بھی اس کھیل کا نظارہ کریں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم حجرۂ مبارکہ کی کھڑکی کے سامنے کھڑے ہو گئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑی ہو کر

ان کے شانۂ مبارک کے اوپر سے جھانک کر نظارہ کرتی رہیں، وہ خود فرماتی ہیں کہ جب تک میں خود وہاں سے نہ ہٹی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری خاطر کھڑے رہے۔ (۶۵)

اسی طرح حدیث میں فرمایا گیا کہ وہ لقمہ جسے آدمی محبت کے اظہار کے لئے بیوی کے منہ میں رکھتا ہے صدقہ اور نیکی شمار ہوتا ہے۔ (۶۶) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عائشہؓ کے ساتھ دوڑنے کی حدیث بھی بہت مشہور ہے۔ (۶۷) ان تمام باتوں سے بآسانی یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ مرد پر لازم ہے کہ عورت کی ترجیحات اور اس کے عواطف کا پورا پورا خیال رکھے۔

اس دوستی و محبت کے تعلق کے بارے میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے جو فرمایا اس کے بعض منتخبات درج ذیل ہیں:

اس محبت و دوستی کے تعلق کا خاصہ یہ ہے کہ اس میں ایک قسم کا ناز بھی ہوتا ہے اس تعلق کے ساتھ مرد کا عورت پر وہ رعب نہیں ہو سکتا جو نوکروں پر ہوا کرتا ہے، بعض دفعہ ازواج مطہرات بھی ناز میں آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برابر کے دوستوں کا سا برتاؤ کرتی تھیں حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کون ہوگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر کمال میں بے نظیر تھے کوئی آپ کے برابر نہ تھا۔ نیز اس کے ساتھ آپ صاحبِ سلطنت تھے، رعب سلطنت بھی آپ میں زیادہ تھا مگر پھر بھی آپ نے کبھی ازواجِ مطہرات پر رعب سے اثر نہیں ڈالا بلکہ ان کے ساتھ آپ کا ایسا برتاؤ تھا جس میں حکومت اور دوستی کے دونوں پہلو ملحوظ رہتے تھے۔ (۶۸)

قرآن حکیم نے بھی بہت عمدہ پیرایہ میں عورت کی سفارش کی ہے ارشاد ہے:

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسَىٰٓ اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْراً كَثِيراً ○ (۶۹)

اور گزران کرو عورتوں کے ساتھ اچھی طرح پھر اگر وہ تم کو نہ بھائیں تو شاید تم کو پسند نہ آئے ایک چیز اور اللہ نے رکھی ہو اس میں بہت خوبی۔

بعض مردوں کی عادت ہے کہ عورت کے ہر کام میں عیب نکالے پھرتے ہیں۔ کوئی کام ان کے خلاف طبیعت ہو اس پر ناراض، کسی کام میں تاخیر ہو اس پر غصہ، کھانے میں ذرا نمک مرچ زیادہ ہو اس پر برہم، خلاصہ یہ کہ عورت کے ہر کام میں اس کی دل شکنی کرتے ہیں حالانکہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے:

ماعاب رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم طعاماً قط۔ (۷۰)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کھانے میں عیب نہیں نکالتے تھے۔
جو بھی کھانا ہو اور جیسے بھی ہو اللہ کی نعمت سمجھ کر کھانا چاہئے اور اس پر شکر کرنا چاہئے،
حضرت انسؓ فرماتے ہیں۔

خدمت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عشر سنین فماقال لی اف قط و ماقال لشیٔ صنعتہ لم صنعتہ ولا لشئی ترکتہ لم ترکتہ۔(۷۱)

دس سال تک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی (اس طویل عرصہ میں) آپ ﷺ نے کبھی مجھے اف تک نہیں کہا اور نہ ہی کئے ہوئے کام کے بارے میں پوچھا کہ کیوں ایسا کیا؟ اور نہ چھوڑے ہوئے کام کے بارے میں فرمایا کہ کیوں نہیں کیا؟

یہ بھی ملحوظ رہے کہ عورت گھر میں ہر وقت فارغ نہیں رہتی اس کے بھی بہت سارے کام ہوتے ہیں وہ بھی تھک جاتی ہے، اسے بھی راحت کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے جہاں تک ممکن ہو مرد اپنے کام خود کریں اور فارغ ہوں تو گھر کے کاموں میں بھی بیوی کا ہاتھ بٹائیں یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اور تعلیم ہے اور حسن اخلاق کا تقاضا بھی۔

حدیث مبارکہ میں ہے:

عن عائشۃ انہا سئلت ماکان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یعمل فی بیتہ قالت ! کان یخیط ثوبہ و یخصف نعلہ و یعمل مایعمل الرجال فی بیوتہم۔(۷۲)

حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کون سا کام کرتے ہیں۔ فرمایا: آپ ﷺ اپنے کپڑے سیتے ہیں اور جوتے پر پیوند لگاتے ہیں اور ہر وہ کام کرتے ہیں. جو دوسرے مرد گھروں میں کرتے ہیں۔

عشق میں ناکامی

اب یہ خبر کہ کسی لڑکے یا لڑکی نے عشق میں ناکامی کے بعد خودکشی کرلی، قابلِ تعجب نہیں رہی۔ آئے دن اخبارات اس طرح کی خبریں چھاپتے ہیں۔ غیر مسلموں کے آزاد معاشرے،

مخلوط تعلیم اور فحاشی و عریانی کی وجہ سے یہ بیماری اور شدت اختیار کر جاتی ہے اور افسوس تو یہ ہے کہ وہ مسلم معاشرے جو دنیائے مغرب کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں ان میں بھی یہ مرض نہ صرف سرایت کر گیا ہے بلکہ بعض جاہل و ناواقف اسے پسندیدہ نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ محبت انسانی فطرت میں داخل ہے۔ اگر کسی کو شہر اور اس کی چمک دمک پسند ہے تو کسی کو گاؤں، اس کی کھلی فضا اور سرسبز و شاداب دشت و دمن محبوب ہے۔ اگر کسی کو کتاب کے مطالعے کا شوق ہے تو کوئی لایعنی اور فضول بات چیت کو اچھا سمجھتا ہے، لیکن انسان کبھی اپنے جذبات اور نفسیات کے ہاتھوں مجبور ہو جاتا ہے اور اس کی وجہ سے اچھے اور برے کی تمیز کی صلاحیت اسمیں ختم ہو جاتی ہے اور کسی چیز یا کسی شخص سے محبت اس درجے تک پہنچتی ہے کہ دیدۂ عبرت کچھ نہیں دیکھ پاتی اور اصلاح و نصیحت کی باتیں اس پر اثر انداز نہیں ہوتیں۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے:

حبك الشئ يعمی و يصم۔ (۷۳)

کسی چیز کی محبت اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔

جب نوبت یہاں تک آتی ہے اور مطلوب تک رسائی ممکن نظر نہیں آتی تو انسان کسی وقت بھی کوئی اقدام کر سکتا ہے۔

عشقِ حقیقی

قیامت کے دن انسان سے ایک اہم سوال یہ ہوگا کہ اپنی جوانی کس طرح اور کس راہ میں گزار دی؟ اس وقت ہر انسان کو اپنی جوانی کی کارگزاری سنانی پڑے گی۔

جوانی میں جہاں جوش و جذبہ ہے، قویٰ مضبوط ہیں، حوصلہ بھی بلند ہے وہاں نفسانی خواہشات کا سمندر بھی ہر وقت تلاطم پر ہوتا ہے۔ یہ حالت نہ پیری میں ہوتی ہے نہ بچپن میں اس لئے خوش نصیب اور باہمت انسان وہ ہے جو اس وقت کی زندگی کو عفت و پاکیزگی کے ساتھ بسر کرے۔ ظاہر ہے کہ موجِ خواہشات جتنی پر تلاطم ہوں اتنا ہی ان کا مقابلہ کرنا مشکل اور گناہ میں جتنی لذت ہو اتنا ہی اس کا چھوڑنا دل پہ بار ہوتا ہے اور اسی سے درجات بلند، اللہ کی محبت اور عشق حقیقی کا حصول اور عبادات میں میٹھاس پیدا ہوتی ہے۔ بقول شاعر

در جوانی پاک بودن شیوۂ پیغمبری است
گرگِ ظالم وقت پیری می شود پرہیزگار

جوانی میں پاک رہنا نبیوں کا شیوہ اور عادت ہے۔ بوڑھاپے میں تو ظالم بھیڑیا بھی پرہیزگار بن جاتا ہے۔

حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے:

سبعة یظلهم اللّٰه فی ظله یوم لاظل الا ظلّه (منها) شاب نشأفی عبادة ربه۔ (۷۴)

سات آدمیوں کو اللہ تعالیٰ اپنے سایہ عرش میں جگہ دیں گے جبکہ اس کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا (ان میں سے) ایک وہ نوجوان جو اپنے رب کی عبادت اور طاعت میں پلا بڑھا ہو۔

انسان کو فرشتوں پر جو برتری حاصل ہے اسی لئے تو ہے کہ فرشتوں میں گناہ کرنے کا مادہ اور جذبہ ہی نہیں اور انسان گناہ کا جذبہ رکھتے ہوئے اللہ کی رضا اور خشنودی کے لئے ہر غیر شرعی کام سے باز آجاتا ہے۔ اس لئے بہت ضروری ہے کہ انسان جوانی کے چند ایام کو انتہائی احتیاط اور اللہ رب العزت کے احکام کے مطابق گزار دے اور ہر گناہ سے اپنے دامن کو پاک رکھے۔

حدیث میں فرمایا گیا ہے:

اغتنم خمسا قبل خمس، شبابك قبل هرمك، و صحتك قبل سقمك، و غناك قبل فقرك و فراغك قبل شغلك و حيوتك قبل موتك۔ (۷۵)

پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو (اس کی قدر کرو) جوانی کو پیری اور کمزوری سے پہلے، صحت کو بیماری اور مالداری کو غربت اور فراغت کو مصروفیت اور زندگی کو موت سے پہلے۔

شیطان انسان کی گمراہی کے لئے مختلف حربے استعمال کرتا رہتا ہے اور اسے راہِ راست سے ہٹانے کے لئے فتنوں کا جال بچھاتا ہے۔ اس کا سب سے بڑا اور کامیاب حملہ عورتوں کے ذریعے مردوں کو گمراہ کرنا ہے اور یہ ایسا حربہ ہے جس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

ماترکت بعدی فتنة اضر علی الرجال من النساء۔ (۷٦)

میں اپنے بعد مردوں کے لئے عورتوں سے زیادہ نقصاندہ کوئی فتنہ چھوڑ کر نہیں جارہا۔

دوسری حدیث میں فرمایا:

النساء حبائل الشیطان۔ (۷۷)

عورتیں شیطان کے جال ہیں۔

اس لئے اس ضرب کاری کا مقابلہ کرنے کے لئے ہر وقت شرعی احکامات کو سامنے رکھنا اور ایک کامل مسلمان کے اخلاق کو اپنانے کی ضرورت ہے۔

جو لوگ عورتوں کے دام ہوس میں مبتلا رہتے ہیں ان کی دنیا و آخرت دونوں برباد ہوتی ہیں، دنیا کی تباہی تو ظاہر ہے ہر وقت اداس، پریشان، غمزدہ اور پراگندہ حال رہتے ہیں اور بالآخر اپنے ہاتھوں اپنی زندگی ختم کرنے کی خبریں ملتی ہیں اور آخرت کی تباہی اس لئے ہے کہ جس دل کو اللہ کی یاد سے آباد ہونا تھا وہ مخلوق کے لئے دھڑکتا رہا، جو سوچ دین کے لئے استعمال ہونی تھی وہ ایک جسمِ خاکی پر فدا ہوگئی، جو اعضا اللہ کی عبادت میں حرکت کرنے تھے وہ گناہ و معاصی میں ملوث رہے۔

اس خطرناک بیماری کی ایک وجہ وہ ناعاقبت اندیش دوست ہیں جن کے ذریعے انسان ہر قسم کی اخلاقی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، گھر کے ماحول سے قدم باہر رکھنے کے بعد آدمی کے اخلاق پر اثرانداز ہونے والا پہلا ذریعہ دوست ہے، اسی کی صحبت سے آدمی بنتا ہے یا بگڑتا ہے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الوحدة خير من جليس السوء ، والجليس الصالح خير من الوحدة(۷۸)

تنہائی برے دوست سے اور نیک ہمنشیں تنہائی سے بہتر ہے۔

اسی بارے میں شاعر کہتا ہے:

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالع ترا طالع کند

نیک اور پرہیزگار ساتھی کی پہچان بھی بہت آسان ہے، حدیث میں فرمایا گیا ہے:

اذا رؤا ذکر اللہ۔ (۷۹)

جب وہ نظر آتے ہیں (ملتے ہیں) اللہ یاد آتا ہے۔

اس اخلاقی فساد کی دوسری اہم وجہ نگاہوں کی آزادی ہے جو ہر وقت کسی بھی چیز کی تصویر کو دل میں اتار سکتی ہے جس کے بعد دل مختلف خیالات میں مصروف رہتا ہے۔ اسلام میں غض بصر (نظر نیچی رکھنے) کے بارے میں بہت تاکید آئی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُل لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوجَهُمْ ۔ (۸۰)

کہہ دے ایمان والوں کو نیچی رکھیں اپنی آنکھیں اور تھامتے رہیں اپنے ستر کو

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ ۔(۸۱)

کہہ دے ایمان والیوں کو نیچی رکھیں اپنی آنکھیں اور تھامتی رہیں اپنے ستر کو،

اس آیت کریمہ میں مسلمان مرد وخواتین کو نظر اور شرمگاہ کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے۔ یعنی فتنۂ شہوت کی ابتدا (بد نظری) اور انتہا (زنا) دونوں کا تذکرہ فرمایا گیا ہے، باقی درمیان میں اس فعلِ حرام کے جو مقدمات ہیں جیسے باتیں کرنا، ہاتھ لگانا وغیرہ سب ضمناً اس میں داخل ہیں اور سب حرام ہیں۔ (۸۲)

یہ تو ممکن ہے کہ آدمی دوسرے انسانوں سے نظر چرا کر کسی نامحرم کو دیکھے اور اس کے بارے میں ہر قسم کے خیالات دل میں لائے لیکن اس احکم الحاکمین کو کیا جواب دے گا جو ہر ظاہر اور چھپی ہوئی چیز کو خوب جانتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ○ (۸۳)

وہ جانتا ہے چوری کی نگاہ اور جو کچھ چھپا ہوا ہے سینوں میں۔

یہ ہو سکتا ہے کہ دنیا اور دنیا والوں سے چھپ کر کسی کے پاس چل پڑے، اس کے ساتھ خلوت میں بیٹھ جائے لیکن اس وقت کیا کرے گا جب زبان پر مہر لگائی جائے گی اور ہاتھ پاؤں، زمین اور نامۂ اعمال ہر ایک آدمی کے خلاف بول پڑیں گے؟ آدمی کس کس چیز کا انکار کرے گا؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُوْنَ ○ (۸۴)

آج ہم مہر لگا دیں گے اُن کے منہ پر اور بولیں گے ہم سے ان کے ہاتھ اور

بتلائیں گے ان کے پاؤں جو کچھ وہ کماتے تھے۔

وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ○ وَقَالَ الْاِنسَانُ مَالَهَا ○ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ○ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحَىٰ لَهَا ○ (۸۵)

اور پھر نکال باہر کرے زمین اپنے اندر سے بوجھ۔ اور کہے آدمی اُس کو کیا ہو گیا ہے۔ اُس دن کہہ ڈالیگی زمین اپنی باتیں۔ اس واسطے کہ تیرے رب نے حکم بھیجا اُس کو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

العينان زناهما النظر والاذنان زنا هما الاستماع و اللسان زناه الكلام و اليد زناها البطش و الرجل زناها الخطى۔ (۸۶)

آنکھوں کا زنا (ناجائز و حرام کی طرف) دیکھنا ہے، کان کا زنا (خلاف شرع اور حرام بات) سننا ہے، زبان کا زنا (حرام) گفتگو ہے۔ ہاتھ کا زنا (حرام چیز کو) پکڑنا ہے۔ پاؤں کا زنا (گناہ کی طرف) چلنا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

لا يخلون رجل بامرأة۔ (۸۷)

کوئی (نامحرم) مرد کسی (نامحرم) عورت کے ساتھ خلوت گزین نہ ہو جائے (خلوت میں نہ بیٹھے)

اس گناہ عظیم میں مرد اور عورت دونوں شریک ہیں، بلکہ وہ عورت جو اپنے اصلی مقام کو بھول کر اور عفت و عصمت کے تمام حدود و قیود کو بالائے طاق رکھ کر گھر سے نکلتی ہے اور بزبان حال ہر قسم کے گناہ کی دعوت دیتی ہے زیادہ مجرم قرار پاتی ہے۔

قیامت کے دن اسی آنکھ کو ٹھنڈک پہنچے گی اور اپنے کئے ہوئے اعمال پر نہیں روئے گی جو دنیا کے اندر اللہ کی رضا کے لئے شرعی احکام کی پابند رہی ہو۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے:

كل عين باكية يوم القيامة الا عين غضت عن محارم الله۔ (۸۸)

ہر آنکھ قیامت کے دن رونے والی ہو گی مگر وہ آنکھ جو اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے محفوظ رہی ہو۔

یہ مہلک بیماری گانے سننے سنانے سے بڑھتی ہے۔ گانے میں ایک خرابی یہ ہے کہ جب انسان اس کا عادی بن جاتا ہے تو سنے یا گائے بغیر اس کو چین نہیں آتا اور جب سنتا ہے یا گاتا ہے تو اسی کے معنی و مفہوم میں کھویا رہتا ہے، دوسری خرابی یہ ہے کہ غیر شعوری طور پر انسان کی نفسیات پر بہت زیادہ برے اثرات چھوڑ جاتا ہے۔

حدیث شریف میں فرمایا گیا:

الغناء ینبت النفاق فی القلب کما نبت الماء الزرع۔ (۸۹)

گانا اس طرح نفاق کو دل میں اگاتا ہے جس طرح کہ پانی کھیت کو اگاتا ہے۔

آوارہ نظری حفاظت نظر اور اس طرح کی دوسری اخلاقی بیماریوں سے بچنے کے لئے شریعت مطہرہ نے ایک بہت بہترین اور پاکیزہ طریقہ بیان کیا ہے، شادی میں جہاں ایک جائز اور حلال طریقے سے خواہشات پوری ہو جاتی ہیں وہاں نظر کی آوارہ گردی پر بھی قابو پالیا جاتا ہے اور انسان کو سکونِ قلب اور اطمینانِ روح حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بیوی کی ایک صفت یہ بیان فرماتے ہیں:

وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا۔ (۹۰)

اللہ کی نشانیوں میں سے ایک یہ کہ تمہاری جنس میں سے تمہارے لئے جوڑے بنا دیئے تاکہ چین سے رہو ان کے پاس۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع ؒ لکھتے ہیں: اس سے معلوم ہوا کہ ازدواجی زندگی کے تمام کاروبار کا خلاصہ سکون وراحتِ قلب ہے اور یہ ظاہر ہے کہ باہمی سکون قلب اسی صورت سے ممکن ہے کہ مرد و عورت کے تعلق کی بنیاد شرعی نکاح اور ازواج پر ہو، جن ممالک اور جن لوگوں نے اس کے خلاف کیا اور حرام صورتوں کو رواج دیا اگر تفتیش کی جائے تو ان کی زندگی کو کہیں پر سکون نہ پائیں گے، جانوروں کی طرح وقتی خواہش پوری کر لینے کا نام سکون نہیں ہو سکتا۔ (۹۱)

حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

یا معشر الشباب من استطاع منکم الباۃ فلیتزوج فانه اغضّ للبصر و احصن للفرج ومن لم یستطع فعلیه بالصوم فانه له وجاء (۹۲)

اے نوجوانوں کی جماعت جو آپ میں سے نکاح کی قدرت رکھتا ہے تو شادی کرے کہ وہ آنکھ کی حفاظت اور شرمگاہ کی پاکی کا بہتر ذریعہ ہے اور جو شادی نہیں کر سکتا تو روزے رکھا کرے کہ وہ طاقت وشہوت کو توڑنے والا ہے۔

اسی طرح آدمی کو چاہئے کہ وقتاً فوقتاً موت اور آخرت کی زندگی کو بھی سوچ لے تاکہ مقصد حیات آنکھوں سے اوجھل نہ ہو جائے اور ترکِ گناہ کا حوصلہ اور ہمت پیدا ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مردوں کو قبرستان جانے کا حکم دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

زوروا القبور فانها تذكر كم الموت۔ (۹۳)

قبروں کی زیارت کیا کرو کہ وہ تم کو موت کی یاد دلاتی ہیں۔

كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزور وها۔ (۹۴)

پہلے میں نے قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا (اب اجازت ہے) تو زیارت کرو۔

اسی طرح دوسری حدیث میں فرماتے ہیں:

اكثر وا ذكر هاذم اللذات يعني الموت۔ (۹۵)

لذتوں کو توڑنے والی چیز یعنی موت کو کثرت سے یاد کرو۔

خودکشی کا شرعی حکم

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْماً ○ (۹۶)

اور نہ قتل کرو اپنے نفسوں کو بیشک اللہ تم پر مہربان ہے۔

یہ آیت بظاہر خودکشی کی حرمت کے بارے میں ہے، صاحب تفسیر مظہری بھی یہی فرماتے ہیں کہ اس سے خودکشی کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ (۹۷) اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ اس کے معنی ہیں ایک دوسرے کو قتل نہ کرو، یعنی کسی اور انسان کو بغیر حق شرعی قتل کرنے کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ جیسا کہ اس سے پہلی آیت وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ۔ کے معنی ہیں۔ ایک دوسرے کے مال ناحق طریقے سے مت کھاؤ۔ علامہ وھبۃ الزحیلی کہتے ہیں کہ کوئی حرج نہیں کہ اس آیت سے خودکشی اور دوسرے انسان کو ناحق قتل کرنے کی حرمت ثابت ہو۔ (۹۸)

شریعتِ اسلامیہ میں خودکشی تو کجا موت کی تمنا اور خواہش کو بھی حرام قرار دیا گیا ہے،

علامہ وھبۃ الزحیلی الفقہ الاسلامی وادلتہ میں لکھتے ہیں: کسی جسمانی بیماری یا دنیوی مصیبت و تنگی کی وجہ سے موت کی تمنا کرنا مکروہ (تحریمی) ہے چنانچہ بخاری و مسلم میں روایت ہے کہ تم میں سے کوئی کسی مصیبت و پریشانی کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے اگر ضرورت ہو تو اس طرح دعا کرے: اے اللہ جب تک زندگی میرے لئے بہتر ہے مجھے زندگی دے اور جب موت بہتر ہو تو مجھے موت عنایت کر دے۔ البتہ کسی دینی نقصان یا فتنہ کی وجہ سے موت کی تمنا مکروہ نہیں، آپ علیہ السلام دعا فرمایا کرتے تھے:

> اے اللہ جب آپ اپنے بندوں کو کسی فتنہ میں مبتلا کرنا ہو تو مجھے اس فتنہ میں ڈالے بغیر اٹھا دیجئے۔

اور اللہ کی راہ میں شہادت طلب کرنے کا معاملہ خودکشی اور موت کی تمنا سے بالکل الگ ہے۔(۹۹)

خودکشی کرنے والے کے بارے میں حدیث میں سخت وعید آئی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> **من قتل نفسه بحديدة فحديدته في يده يتوجأ بها في بطنه في نار جهنم خالداً مخلّداً فيها ابداً، ومن شرب سماً فقتل نفسه فهو يتحساه في نارجهنم خالداً فيها ابداً، ومن تردّى من جبل وقتل نفسه فهو يتردّىٰ في نارجهنم خالداً فيها ابداً۔ (۱۰۰)**
>
> جس نے اپنے آپ کو لوہے سے قتل کیا تو وہ ہمیشہ کے لئے جہنم کی آگ میں اسی لوہے سے اپنا پیٹ چاک کرتا رہے گا اور جس نے زہر پی کر اپنے آپ کو مار ڈالا تو وہ ہمیشہ کے لئے جہنم کی آگ میں وہی زہر گھونٹ گھونٹ کر کے پیتا رہے گا اور جس نے پہاڑ سے چھلانگ لگا کر اپنے آپ کو قتل کیا تو وہ ہمیشہ کے لئے جہنم کی آگ میں چھلانگ مارتا رہے گا۔

یہ بات ملحوظ رہے کہ خودکشی اگرچہ سخت گناہ ہے لیکن خودکشی کرنے والا اس عمل سے کافر نہیں ہوتا، مسلم کے اندر ایک روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خودکشی سے کفر لازم نہیں آتا، اور جمہور علما کے یہاں وہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں نہیں رہے گا اس لئے کہ جہنم میں ہمیشہ رہنا صرف کافروں کے لئے ہے لہٰذا جس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا اس کے

بارے میں مختلف جوابات منقول ہیں۔ علامہ شبیر احمد عثمانی شرح مسلم میں فرماتے ہیں: بعض محدثین کے نزدیک خالد مخلّداً فیھا ابداً کے الفاظ روایت کرنے والے کا وہم ہیں، کیونکہ دوسری روایات میں یہ الفاظ نہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ خلود (ہمیشہ رہنا) اس آدمی کے لئے ہے جو اس فعلِ حرام کو حلال سمجھ کر اس کا ارتکاب کرے اور ظاہر ہے کہ اللہ کی طرف سے حرام شدہ چیز کو حلال سمجھنا کفر ہے اور کافر کے لئے خلود فی النار ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سزا تو یہی ہے کہ جہنم میں ہمیشہ رہے لیکن اس کے دل میں ایمان موجود ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کرم فرما کر بالآخر اس کو معاف فرمائیں گے۔(۱۰۱)

اسی وجہ سے کہ وہ فاسق اور سخت گنہگار ہے لیکن کافر نہیں اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔ در مختار میں ہے:

من قتل نفسه عمداً مغیسل و یصلی علیه۔ (۱۰۲)

جس حدیث میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی اس کے جواب میں علامہ شامی فرماتے ہیں:

اس حدیث سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ نہیں پڑھائی اور ظاہراً اس لئے تاکہ دوسروں کے لئے درس عبرت ہو جیسے کہ آپ علیہ السلام نے مقروض کی نماز جنازہ پڑھانے سے انکار فرمایا یہ ضروری نہیں کہ دوسرے صحابہؓ نے نماز جنازہ نہ پڑھی ہو البتہ یہ بات ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسروں کی نماز میں بہت فرق ہے۔(۱۰۳)

حواشی و حوالہ جات

۱۔ فضائل اعمال ص ۱۸۷ کتب خانہ فیضی لاہور

۲۔ حیاۃ الصحابہ ۱/ ۳۰۶، کتب خانہ فیضی لاہور،

۳۔ محولہ بالا ص ۳۰۹،

۴۔ محولہ بالا ص ۳۰۸،

۵۔ صحیح مسلم، کتاب الزھد، احادیث متفرقہ ۲/ ۴۱۳، قدیمی کتب خانہ کراچی،

۶۔ سورۂ بقرہ، آیات ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷،

۷۔ تفسیر مظہری ۱/ ۲۶۵، ایچ ایم سعید،

۸۔ جامعہ ترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء فی ذہاب البصر، ۲/ ۶۳، فاروقی کتب خانہ لاہور،
۹۔ نقل از تفسیر مظہری، ۱/ ۲۶۵، ایچ ایم سعید،
۱۰۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب الصبر عند الصدمۃ الاولی، ۱/ ۱۷۴، قدیمی کتب خانہ کراچی،
۱۱۔ تفسیر منیر از وھبۃ الزحیلی ۲/ ۴۳، دارالفکر المعاصر بیروت،
۱۲۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب قول النبی انا بک، ۱/ ۱۷۴، قدیمی کتب خانہ کراچی،
۱۳۔ حقیقت صبر و شکر، ص ۲۰، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان،
۱۴۔ سیرت مصطفیٰ، ۲/ ۱۹۰، مکتبہ عثمانیہ لاہور،
۱۵۔ جامعہ ترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء فی معیشۃ اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم،
۱۶۔ حقیقت صبر و شکر، ص: ۵۱، ادارہ تالیفات اشرفیہ،
۱۷۔ سنن ابوداؤد، کتاب الزکوۃ، باب ماتجوز فیہ المسئلۃ، ۲/ ۲۳۲، ایچ ایم سعید کراچی،
۱۸۔ صحیح بخاری، ابواب الاستسقاء باب الاستسقاء فی المسجد الجامع، ۱/ ۱۳۷، قدیمی کتب خانہ،
۱۹۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب قولہ کن فی الدنیا، ۲/ ۹۴۹، قدیمی کتب خانہ کراچی،
۲۰۔ فتح الباری، ۱۱/ ۲۳۴، دارالمعرفۃ بیروت،
۲۱۔ جامعہ ترمذی، کتاب الزھد باب ماجاء فی ھم الدنیا وحبھا، ۲/ ۵۶، فاروقی کتب خانہ لاہور،
۲۲۔ سنن ابوداؤد، کتاب الادب، باب البناء، ۲/ ۳۵۴، ایچ ایم سعید کراچی،
۲۳۔ شعب الایمان للبیہقی، ۵/ ۳۵۵، رقم الحدیث ۶۵۶۸، دارالکتب العلمیہ بیروت،
۲۴۔ سورۃ الاعراف، ۷/ ۳۱،
۲۵۔ معارف القرآن ۳/ ۵۴۵،
۲۶۔ سنن ابن ماجہ، ابواب الاطعمۃ ، باب من الاسراف ان تاکل کل ما اشتھیت، ص ۲۴۸، میر محمد کتب خانہ کراچی،
۲۷۔ سنن ابن ماجہ، ابواب الطہارۃ باب ماجاء فی القصد فی الوضو، ص ۳۴، میر محمد کتب خانہ کراچی،
۲۸۔ صحیح مسلم، کتاب الزھد ۲/ ۴۰۷، قدیمی کتب خانہ،
۲۹ فیض القدیر، ۲/ ۸۷۸،
۳۰۔ گلستان سعدی، ۱۱۷ قدیمی کتب خانہ،
۳۱۔ الحجرات ۴۹/ ۱۳،
۳۲۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم ظلم المسلم وخذلہ، ۲/ ۳۱۷، قدیمی کتب خانہ کراچی،

۳۳۔ سنن ابن ماجہ، ابواب الزھد، باب فضل الفقر ص ۳۱۳، میر محمد کتب خانہ کراچی،
۳۴۔ حوالہ بالا،
۳۵۔ صحیح مسلم، کتاب الزھد، ۲/۴۱۰، قدیمی کتب خانہ کراچی،
۳۶۔ سنن ابن ماجہ، ابواب الزھد، باب فضل الفقر ص ۳۱۴، میر محمد کتب خانہ کراچی،
۳۷۔ تکلمہ فتح الملہم، ۵/۶۱۰،
۳۸۔ مشکوۃ المصابیح، کتاب الاداب، باب مانھی عن التھاجر الفصل الثالث، ص ۴۳۹، ایچ ایم سعید کراچی،
۳۹۔ سورۂ ہود، آیت ٦،
۴۰۔ محلی ابن حزم، آیت ۱۵۷،
۴۱۔ سورۂ زخرف، آیت ۳۲،
۴۲۔ سورۂ الانعام، آیت ۱٦۵،
۴۳۔ سورۂ التوبۃ، آیت ۳۴،
۴۴۔ سورۂ الحشر، آیت ۷،
۴۵۔ تفسیر عثمانی، ص ۷۰۹، مکتبہ رشیدیہ لاہور،
۴٦۔ سورۂ الجمعۃ، آیت ۱۰،
۴۷۔ شعب الایمان للبیہقی، ٦/۴۲۰، رقم الحدیث ۸۷۴۱، دار الکتب العلمیہ بیروت،
۴۸۔ صحیح مسلم، کتاب السلام، باب حق المسلم رد السلام، ۲/۲۱۳، قدیمی کتب خانہ کراچی،
۴۹۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب فضل عیادۃ المریض، ۲/۳۱۷، قدیمی کتب خانہ کراچی،
۵۰۔ تکملہ فتح الملہم، ۵/۳۷۰،
۵۱۔ جامع الترمذی، ابواب الطب، باب بلاترجمہ (بعض نسخوں میں باب التداوی بالرماد) ۲/۳۰، فاروقی کتب خانہ لاہور،
۵۲۔ تکملہ فتح الملہم، ۵/۳۷۱،
۵۳۔ صحیح بخاری، کتاب المرضی، باب فی عیادۃ الاعراب، ۲/۸۴۴، قدیمی کتب خانہ کراچی،
۵۴۔ اصلاح خواتین، ص ۳۷، دار الاشاعت کراچی،
۵۵۔ سورۂ النساء، آیت ۳۴،
۵٦۔ المعجم الوسیط، ۷٦۷، ۷٦۸، المکتبۃ الاسلامیۃ استانبول، ترکی،

۵۷۔ معارف القرآن، ۲/ ۳۹۵۔۳۹۶،
۵۸۔ جامع ترمذی، کتاب الرضاع، باب ماجاء فی حق الزوج علی المرأۃ، ۱/ ۱۳۸، فاروقی کتب خانہ لاہور،
۵۹۔ سورۃ الاحزاب، آیت ۳۵،
۶۰۔ روح المعانی، ۲۲/ ۲۱،
۶۱۔ سورۃ التحریم، آیت ۵،
۶۲۔ اصلاح خواتین، ص ۴۱، دارالاشاعت کراچی،
۶۳۔ جامع ترمذی، کتاب الرضاع، باب حق الزوج، ۱۰/ ۱۳۸، فاروقی کتب خانہ لاہور،
۶۴۔ صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب قول اللہ اطیعوا اللہ، ۲/ ۱۰۵۷، قدیمی کتب خانہ کراچی،
۶۵۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب نظر المرأۃ الی الحبش، ۲/ ۷۸۸، قدیمی کتب خانہ کراچی،
۶۶۔ صحیح بخاری، کتاب الوصایا باب ان یترک ورثۃ اغنیاء، ۱/ ۳۸۳، قدیمی کتب خانہ کراچی،
۶۷۔ سنن ابوداؤد، کتاب الجھاد، باب فی السبق علی الرجل، ۱/ ۳۴۸، ایچ ایم سعید کراچی،
۶۸۔ حقوق الزوجین ص ۲۲، ۲۳، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان،
۶۹۔ سورۃ النساء، آیت ۱۹،
۷۰۔ سنن ابوداؤد، کتاب الاطعمۃ، باب کراھیۃ، م الطعام، ۲/ ۱۷۲، ایچ ایم سعید کراچی، صحیح بخاری، کتاب الاطعمۃ، باب ماعاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طعاماقط، ۲/ ۸۱۴،
۷۱۔ جامع ترمذی، کتاب البر والصلۃ باب ماجاء فی خلق النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۲/ ۲۲، فاروقی کتب خانہ لاہور،
۷۲۔ مسند احمد بن حنبل، ۷/ ۱۷۵، رقم الحدیث ۲۴۳۸۲، دار الحیاء التراث العربی بیروت،
۷۳۔ سنن ابوداؤد، کتاب الادب، باب الھویٰ، ۲/ ۳۴۳ ابرا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی،
۷۴۔ صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب الصدقۃ بالیمین، ۱/ ۱۹۱، قدیمی کتب خانہ کراچی،
۷۵۔ المستدرک للحاکم، کتاب الرقاق، ۴/ ۳۰۶،
۷۶۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب مایتقی من شوم المراۃ، ۲/ ۷۶۳، قدیمی کتب خانہ کراچی،
۷۷۔ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الرقاق،
۷۸۔ شعب الایمان للبیہقی، ۴/ ۲۵۶، رقم الحدیث ۴۹۹۲، دار الکتب العلمیہ بیروت،
۷۹۔ حقائق عن التصوف ص ۵۸ مکتبۃ دار العرفان حلب،

۸۰۔ سورۂ النور، آیت ۳۰،

۸۱۔ سورۂ النور آیت ۳۱،

۸۲۔ معارف القرآن ۶/ ۳۹۹،

۸۳۔ سورۂ غافر، آیت ۱۹،

۸۴۔ سورۂ یٰس، آیت ۶۵،

۸۵۔ سورۂ زلزال آیات ۳ تا ۵،

۸۶۔ مسند احمد، ۱/ ۶۸۰، رقم الحدیث ۳۹۰۲، دار احیاء التراث العربی بیروت، صحیح مسلم کتاب القدر باب قدر علی ابن آدم حظہ من الزنا، ۲/ ۳۳۶، قدیمی کتب خانہ کراچی،

۸۷۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب سفر المرأۃ مع محرم، ۱/ ۴۳۳، قدیمی کتب خانہ کراچی،

۸۸۔ اخرجہ ابونعیم فی الحلیۃ، ۳/ ۱۶۳،

۸۹۔ شعب الایمان للبیہقی، ۴/ ۲۷۹، رقم الحدیث ۵۱۰۰، دار الکتب العلمیہ بیروت،

۹۰۔ سورۂ الروم، آیت ۳۰/ ۲۱،

۹۱۔ معارف القرآن، آیت ۶/ ۷۳۵،

۹۲۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج، ۲/ ۷۵۸، قدیمی کتب خانہ کراچی،

۹۳۔ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، فصل فی الذناب الی زیارۃ القبور، ۱/ ۳۱۴، قدیمی کتب خانہ کراچی،

۹۴۔ حوالہ بالا،

۹۵۔ جامع ترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء فی ذکر الموت، ۲/ ۵۴، فاروقی کتب خانہ لاہور،

۹۶۔ سورۂ النساء، آیت ۲۹،

۹۷۔ تفسیر مظہری، ۳/ ۵۱،

۹۸۔ التفسیر المنیر، ۵/ ۳۲، دار الفکر المعاصر، بیروت،

۹۹۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/ ۴۹۴، المکتبۃ الحقانیہ پشاور،

۱۰۰۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، بیان غلظ تحریم قتل الانسان نفسہ، ۱/ ۷۲، قدیمی کتب خانہ کراچی،

۱۰۱۔ فتح الملھم، ۱/ ۲۶۴ ادارہ شرکت علمیہ دیوبند،

۱۰۲۔ فتاویٰ شامی، ۱/ ۶۴۳، مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ،

۱۰۳۔ حوالہ بالا۔